

Islam aur Ulum

Maulana Saiyid Sibtul Hasan Fazil Hanswi

12/28/2010

Nadeem Rezavi

”اسلام اور علوم“

از

مولانا سید سبط الحسن صاحب۔ فاضل ہنسوی

اسلام کو سمجھنے کے لئے M.U.S. Union نے چند لکچرس منعقد کئے تھے جس میں مذہب اسلام کے جلیل القدر علماء جیسے مولانا سید سبط الحسن صاحب فاضل ہنسوی، مولانا سید سعید الملت صاحب عبقاتی، مولانا ابوالحسن صاحب ندوی، مولانا ابن حسن فونہروی اور دیگر حضرات نے تقاریر فرمائی تھیں۔ پہلی تقریر ”اسلام اور علوم“ پر مولانا سید سبط الحسن صاحب فاضل ہنسوی نے ۲۴ جنوری ۱۹۵۵ء کو یونین ہال میں کی۔ آج آفتاب ہال ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے)

هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون

آپ جانتے ہیں کہ یہ کون سی کتاب ہے۔ یہ قرآن حکیم ہے، جس نے تمام دنیا کی مشترکہ سماجی زندگی پر اپنا گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور آج مہذب دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس تک اس کے برکات نہ پہنچے ہوں چاہے وہ اس سے بالکل بے خبری کیوں نہ ہو۔ مشہور فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر مورلیس جس نے قرآن مجید کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے بالکل صحیح کہتے ہیں۔

”مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسانوں کے لئے کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے اس کے نغمے انسانوں کی خیر و فلاح کے لئے فلاسفہ و مفکرین کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں اس کتاب سے ہر ایک کی رہنمائی اس کے استعداد کے مطابق کی ہے قرآن علماء کے لئے علمی کتاب، ادباء کے لئے معجز نما ادب اور شرائع و قوانین کے لئے ایک عام انسائیکلو پیڈیا ہے۔“

یہی قرآن تمام بنی نوع انسانوں کے خطاب کرتا ہے۔

هل يستوى الذين الخ

تمام دنیا عام اس سے کہ وہ قرآن پر ایمان لائی ہو یا نہ لائی ہو وہ ”نُحِثَ رَايَةَ الْقُرْآنِ“ ہے کوئی مفکر اور صاحب فہم اس سے انکار ہی نہیں کر سکتا کہ طوعاً و کرہاً قرآنی تعلیم سے مستفید نہیں ہوا۔ میں اس وقت آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ عصر نور و عہد علم اس کی تخلیق قرآن ہی نے کی ہے، آج سے تیرہ سو برس پہلے دنیا کیا تھی، عصر مظلمہ..... (پھٹ گیا)

اسلام سے پہلے عرب کے اس عہد کو عصر الجاهلیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اس زمانہ میں خصوصیت سے جریرۃ العرب کے لوگ امی محض تھے لکھنا پڑھنا کچھ نہیں جانتے تھے

كانوا قومًا أميين لا يقرأون ولا يكتبون وقد ظلوا على أميتهم دهرًا طويلاً
دوسری ایسی قومیں جو بظاہر تہذیب یافتہ تھیں کہنے کو تو ان میں ثقافت و تہذیب کو جو تھا لیکن ان کی علمی و عملی قوتیں مفلوج ہو چکی تھیں قریب تھا کہ وہ مع اپنے آثار کے مٹ جائیں حالت یہ تھی کہ بعض قوموں نے علوم پر پہرے

بیٹھا دیئے تھے صرف مخصوص خانوادے تھے جو تحصیل علم کر رہے تھے، عین اس وقت جب کہ دنیا دریائے جہالت میں غرق ہونے کے قریب تھی پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناخدائی کی اور انسانیت کے بیڑے کو غرق ہونے سے بچایا۔ آپ نے قرآن کو اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ دین و دنیا کی فلاح اس کی تعلیمات پر عمل کرنے میں مضمر ہیں اور تنہا یہی کتاب ہے جو دنیا سے جہالت کی تاریکی کو دور کرنے کی ذمہ دار ہے قرآن نے مختلف صورتوں سے علوم کی طرف دعوت دی ہے۔

(۱) سب سے پہلے اس نے غور و فکر کی دعوت دی، آسمان زمین، پہاڑ دریا برق و باران، رات دن، نباتات و اشجار، حیوانات، یہاں تک کہ خود انسانوں کو اپنے نفوس پر غور و فکر کی ترغیب دی، قرآن میں کثرت کے ساتھ اس موضوع کی آیات موجود ہیں۔

(۲) سفر و سیاحت کا حکم دیا تاکہ اس سے معلومات میں اضافہ ہو، ”سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة لمکذبین“ ”سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة الذین من قبل“ ”سیروا فی الارض فانظروا کیف بداء الخلق“

(۳) شریعت اسلام حنات دنیا و آخرت کے مجموعہ کا نام ہے اس لئے اس کی دینی تعلیم کا سلیس ان ایسے علوم پر بھی مشتمل ہے جو بظاہر خالص دینی سمجھے جاتے ہیں اس لئے شریعت اسلامی میں ثقہ فی الدین جس کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک علوم متعارفہ کو ایک مسلمان حاصل نہ کرے اس لئے شارع نے حکم دیتا ہے۔

”اطلبوا العلم من المهد الی اللحد طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمہ ، اطلبوا العلم ولو بالصین، الحکمة ضالة لمومن فخذو ولو بالمشرکین،

(۴) عملاً آنحضرت نے جہالت کو دور کرنے کے لئے کتابت کے فن کو حاصل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی آپ نے فرمایا ”تقید و العلم بالکتابہ“ ”العلم صید و الکتابہ قید و ار حکم اللہ تعالیٰ علو مکم بالکتابہ“

اس عہد میں قبیلہ قریش میں گنتی کے چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے آنحضرت نے کتابت کو عام کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ ایسے کفار قریش جو جنگ بدر میں گرفتار کئے گئے تھے اور لکھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ وہ انصار کے دس لڑکوں کو لکھنا سیکھا دیں تو وہ آزاد کر دیئے جائیں۔ مشہور کا تب قرآن زین بن ثابت انصاری جو اس وقت کم سن بچے تھے انہوں نے اس طرح لکھنا سیکھا تھا۔ کتاب کو عام کرنے کے لئے قرآن نے یہاں تک تاکید کی کہ یتیم و اللذین آمنوا اذا تدانیتهم بدین الی اجل مسمى فلیکتبوه اس لئے فن کتابت کا سیکھنا ضروری سمجھا گیا۔

پیغمبر اسلام جن لڑائیوں میں خود نہیں تشریف لے جاتے تھے ان کے حالات کو اس کی وضاحت کی ہے کہ ”ان المنبى اذا بعثت سرية فبعث معهار جلا بكتب اليه بالاخبار.....“ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس ملک میں گنتی کے چند لوگ لکھنا جانتے تھے اس ملک کی اکثریت لکھنے والی ہو گئی اور وہ نہ صرف مسائل دینی بلکہ طبعیات و مابعد الطبعیات کے مسائل پر غور و فکر کرنے لگے، چنانچہ دکتور عمر فروخ نے عمقر بہ العرب فی العلم والفلسفہ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ عہد رسالت ہی میں عالم کلام کی بنیاد پڑ گئی تھی، بہر حال وہ عرب جو اُمی محض تھے اب ان میں ایسی صلاحیتیں ابھر آئیں کہ وہ علوم و فنون کی تدوین و اشاعت کر سکیں۔

ابن عم پیغمبر اور ان کے داماد جن کے متعلق پیغمبر کی یہ مشہور حدیث ہے ”انما مدینة العلم وعلی بابہا“ جن کے متعلق ابوالحسن شیرازی نے طبقات الفقہاء میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مشیران حکومت کی ایک کمیٹی بنائی تو حضرت علیؓ کو اس کا صدر یہ کہہ کر قرار دیا تھا کہ انت اعلمہم و افضلہم۔ یہی حضرت علیؓ تھے جو معلم کتاب و حکمت پیغمبر اسلام کے پیغمبر اسلام کے قائم کئے ہوئے مدرسہ حکمت کے قیم تھے، رائیٹ انرنیل امیر علی اسپرٹ آف اسلام میں لکھتے ہیں۔

”جس زمانہ میں اسلام دور و دراز ممالک میں پھیل رہا تھا علیؓ مدینہ میں عربوں کی اوجھری ہوئی قوم کی دماغی قوت کو بڑھا رہے تھے مدینہ کی جامع مسجد میں علیؓ اور ان کا عم زاد بھائی و شاگرد عبداللہ بن عباس ہفتہ وار فلسفہ، منطق فصاحت و بلاغت، تاریخ حدیث و فقہ پر لکچر دیا کرتے تھے۔ یہ ابتداء تھی اس دماغی تحریک کی جس نے بہت زور و شور کے ساتھ بغداد میں ظہور کیا“

اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر کے بعد خلفاء نے اس تحریک علمی کو آگے بڑھایا ہے اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ آپ نے دین اسلام کی تعبیر مذہب عقل سے کی جیسا کہ آپ کے تعلیمات و ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے آپ ہی نے اس نظریہ ”ما حکم بہ العقل حکم بہ الشرع و ما حکم بہ الشرع حکم بہ العقل“ کو بتلایا اسی وجہ سے آپ نے اپنے عہد حکومت میں نہ صرف عرب بلکہ غیر عرب موالین کو بھی اپنے علوم سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مدینہ کے بعد کوفہ ہی وہ پہلا شہر ہے جہاں علمی نہضت ہوئی۔ کوفہ دارالعلم بننے کے لئے ایک مناسب مقام تھا۔ استاد محمود الصفا مصری نے عمقریۃ الامام میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس وقت کوفہ کو بین الملکی حیثیت حاصل تھی اور اس میں صلاحیت تھی کہ مرکز علم بنتا اس لئے حضرت علیؓ کی حکومت کے لئے کوفہ ایک مناسب ترین مقام تھا۔ حضرت کے عہد میں کوفہ مسلمانوں کا پہلا دارالعلم تھا جہاں عرب و غیر عرب دونوں مستفید ہوتے تھے۔ مسجد کوفہ میں آپ علوم و فنون پر تقریریں

فرماتے، اب آپ کے اصحاب میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی، حالت یہ تھی کہ آپ کے سامنے لوگ سامانِ نوشت و خواند لے کر آتے تھے اور جو کچھ سنتے لکھ لیا کرتے تھے، بصرہ میں جب آپ داخل ہوئے اور مسجد میں آپ نے تقریر فرمائی تو خواجہ حسن بصری قلم و الواح لے کر موجود تھے۔ اور جو کچھ سنتے تھے اس کو لکھ لیتے تھے۔ یہی وہ بصرہ ہے جہاں کے رہنے والے حضرت علی کے مشہور شاگرد ابوالاسود دہلی تھے، جن کی وجہ سے بصرہ میں علم و ادب کا ایک نیا اسکول کھلا۔ سیوطی نے کتاب المزہر فی علوم الفتنہ میں اس کا اقرار کیا ہے کہ سب سے پہلے کوفہ مرکز علم بنا اس کے بعد بصرہ ان سے پہلے کسی دوسری جگہ کو تقدم نہیں بخدا اسے پہلے یہی دونوں شہر دارالعلم رہے۔

واشنگٹن ایرونگ اور مسٹر گلیمن ان کے علاوہ دوسرے مستشرقین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ”خلفاء میں سب سے پہلے علی ہی کی ایسی شخصیت ہے جنہوں نے سب سے پہلے علوم و فنون کی تدوین و حفاظت کی“

بقول مسٹر جے جے پال مصنف کتاب مطالعہ مذہب اسلام ”علی نے اپنے زمانہ خلافت میں قومی مصنفوں کا نہ صرف تحفظ کیا بلکہ انہیں تصنیف کے لئے ترغیب بھی دیتے تھے“ (ص ۳۲۰ مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اموی عہد میں کچھ سیاسی حالات ایسے ہوئے جو کسی حد تک اس تحریک علمی کے مفید و معاون نہ تھے بلکہ بحث و عقل اور فکر و نظر میں جمود پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس عہد میں بھی محمد ﷺ کے گھرانے والوں نے ایک ایسا ادب عالی ہماری نگاہوں کے سامنے پیش کیا جو علمی دنیا کے لئے مایہ ناز ہے اور جس نے فکر و نظر کے لئے صیقل کا کام کیا میری مراد ”صحیفہ کاملہ“ علی بن الحسین سے ہے لیکن چھوڑے دنوں میں پیغمبر اسلام کے دانشگاہ میں پھر رونق آگئی۔ سر امیر علی اسپرٹ آف اسلام میں لکھتے ہیں۔

”واقعہ جرہ کے بعد عرب پھر ایک ویرانہ ہو گیا تھا اس واقعہ کے کئی سال بعد امام جعفر صادق نے اپنی اس درسگاہ کو جوان کے دادا علی بن ابی طالب نے قائم کیا تھا از سر نو قائم کیا مگر وہ صحرائے عرب میں ایک ہی حقیقی اور سچا چراغ تھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا“

جسٹس امیر علی فرماتے ہیں ”امام جعفر صادق ایک عالی دماغ اور گہری فکر کے بزرگ تھے اسلام میں فلسفہ داخل کرنے کے دراصل بانی مہدی بزرگ ہیں، صرف بنی فاطمہ ہی نے مذہب میں فلسفیانہ رنگ اختیار کیا تھا ان حضرات کے لکچر صرف وہی لوگ نہیں سنتے تھے جو بعد فقہ کے بڑے بڑے امام کہلائے مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام مالک بلکہ دور و دراز ممالک سے بہت سے فلاسفر اور طالب علم بھی آکر حضرات سے سفید ہوتے تھے۔ حسن بصری جنہوں نے بصرہ میں فلسفہ کا اسکول جاری کیا تھا انہیں کے شاگرد تھے، واصل بن عطا معتزلہ مذہب کا بانی اسی چشمہ علم سے سیراب ہوا

تھا، (اسپرٹ آف اسلام)

امام جعفر صادقؑ کے حلقہٴ درس میں چار ہزار محصلین علم و دانش تھے جو مختلف ملک و قوم کے تھے۔ ایک طالب علم ہندوستان کا بھی تھا جس کا نام کنکر تھا ایک غیر عرب طالب علم زرارہ تھا جو رومی نسل تھا جن کے دادا سنس بلادروم کے Monk تھے صرف فقہیات ہی کی تعلیم نہیں تھی بلکہ مختلف علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی، ان میں ہشام ابن حکم اور جابر بن حیان خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ حضرت کے یہ دونوں شاگرد طبعیات و علوم عقلیات کے ماہر تھے ایسے کہ ہشام نے فلاسفہ طبعین و ارسطو کی رد لکھی اور جابر بن حیان وہ ہے جو آج قادر آف دی ماڈرن کیمسٹری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا شخص جو فزیکس و کیمسٹری یورپ نے جدید علم کیمیا کو مدون کیا جس کا انفرار خود یورپ کو بھی ہے۔

یہاں پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ کچھ لوگوں کو دھوکہ ہوا اور وہ بیزید کے بیٹے خالد اموی کو کیمیا گر سمجھتے ہیں کہ لیکن علامہ ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کے موجد ہیں وہ اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کو صحیح نہیں تسلیم کرتے جیسا کہ مقدمہ ابن خلدون میں موجود ہے۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جابر نے ایک ہزار ورق کی ایک کتاب کیمسٹری پر لکھی یہ کتاب امام جعفر صادقؑ کے پانچو رسائل پر مشتمل تھی، اب مسلمانوں میں علوم و تصانیف و تالیف کی طرف بہت زیادہ ذوق و شوق پیدا ہو گیا، اور علوم و عقلیات کے اسکول قائم ہو گئے ہیں۔ جن میں معتزلہ و اشاعرہ کو خاص شہرت ہے اب بغداد مرکز خلافت بن چکا تھا اور وہی دارالعلم بھی تھا خزینہ الحکمت اور بیت الحکمت کی بھی بنیاد پڑ چکی تھی (بیت الحکمت بغداد میں ریسرچ و تحقیقات کی ایک سرکاری اکیڈمی تھی، ایک زبردست کتب خانہ و دارالانار تھا جس نام خزانہ الحکمت تھا)

بقول فاضل اوکیائی مامون نے امام رضاؑ کی اجازت سے بہت زیادہ کتابیں یونان سے طلب کیں اور ان کا عربی ترجمہ کرایا۔ اس عہد میں جملہ علوم و فنون پر کتابیں لکھی گئیں و کتب خانے قائم کئے گئے۔ عام تعلیم ’’غری ایجوکیشن‘‘ کا عمومی رواج ہوا۔ یہ زمانہ تاریخ میں عصر ذہنی کہلاتا ہے۔ اسی عہد میں جمعیت اخوان الصفا نے اپنے رسائل کی اشاعت کی رسائل اخوان الصفا نے نہ صرف اسلامی دنیا کے افکار ہی کو جلاد دی بلکہ غیر اسلامی یورپ کے ذہنی و ارتقائے فکر میں بھی کافی مدد کی ہے، اسی طرح الکندی، فارابی، ابن سینا کی شخصیتیں معلم علوم کی حیثیت سے ظاہر ہوئیں جن سے یورپ نے استفادہ کی رسائل اخوان الصفا کی اشاعت کے ایک صدی بعد عمرو بن عبد رحمان قبرطی ان رسائل کو بغداد سے اسپین لے گیا۔ ان رسائل کے پہنچنے ہی وہاں فلسفہ کا زور ہو گیا۔ ابن ماجہ، ابن رشد، ابن طفیل ایسے فلسفی پیدا

ہوئے جن کے مصنفات کو یورپ کے فلسفہ کی بنیاد کہنا چاہئے۔

بقول ہٹی از منہ وسطیٰ میں یورپ جہالت کی گھٹا ٹوپ میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور ممالک عربیہ اسلامیہ میں آفتاب علوم پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ مسلمانوں نے علوم کی شاخ و درشاخ پانچوں موضوعات میں تقسیم کیا تھا جس کا تفصیلی ذکر طاش کبیرہ زادہ نے مفتاح السعاده میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے، پانچ موضوعات علوم میں جملہ مصنفات کی تعداد اڑھائی سو تک پہنچتی ہے، خالص اسلامی علوم اور علوم ذلیلہ یہ سب برکات قرآن کا نتیجہ ہیں بغداد، قاہرہ، نیشاپور، قم، قیروان، قرطبہ، غرناطہ یہ وہ مقامات تھے جہاں یونیورسٹیاں تھیں اور عمومی تعلیم دی جاتی تھی، یہی وہ زمانہ تھا جب کہ یورپ جہالت کی تاریکی سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا وہ اپنے طلباء کو اسلامی ملکوں میں تحصیل علم کے لئے بھیجتا تھا، پڑھنا مذهب کا بانی مارٹن لوتھر بھی انہیں میں تھا اس نے قرطبہ اور طلیطلہ کا سفر کیا جو علوم عربیہ کے مرکز تھے۔ اس نے یہاں عربی زبان کو حاصل کیا جب وہ جرمنی واپس ہوا تو اپنے ساتھ قرآن کا ایک نسخہ لیتا گیا۔ اس نے قرآن کا جرمنی میں ترجمہ کیا قرآن کے مطالعہ کا لوتھر پر یہ اثر ہوا کہ اس نے تعلیمات قرآن سے متاثر ہو کر دین مسیحی کی اصلاح کا بیڑا اٹھا جس پر اسے سخت اذیتیں بھی گئیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ برٹش انسائیکلو پیڈیا کا فاضل مولف ”ضمن“ عربیہ“ لکھتا ہے۔

”اپہن میں متعدد اکاڈمی و اسکول قائم تھے جہاں یورپ کے ممالک سے طلباء تحصیل علم کے لئے آتے تھے یہیں جغرافیہ، فلسفہ، طب، طبیعیات، ہیئت و نجوم حساب و تقلیدس وغیرہ وغیرہ کے سے علوم پر بہت سی قابل قدر کتابیں تصنیف کی گئیں“۔ (برٹش انسائیکلو پیڈیا جلد اول؛ ص ۲۸۵)

اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہیں پروفیسر پرسی، ٹی میگن (Perey. T. Magan) اپنی مشہور کتاب خطرہ جمہوریت (The Peril of Republic) میں لکھتے ہیں۔

”اپہن کے خلفاء نے علوم کی حمایت و سرپرستی میں حضرت محمدؐ کے چوتھے جانشین حضرت علیؑ کی تعلیم پر عمل کیا انہوں نے اپنے تمام ہر مسجد میں علو ام کے لئے مدرسہ ہوتا تھا جہاں غرباء کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سیکھایا جاتا تھا اور قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خوش حال لوگوں کے لئے متعدد اکاڈمی تھیں جس میں بچپس تیس ہجرتے تھے۔ ہر ہجرے میں چار طالب علم کے لئے جگہیں تھیں ہر اکاڈمی کا ایک اعلیٰ افسر ہوتا تھا۔ قرطبہ، غرناطہ اور دوسرے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں بھی تھیں۔ مسلمانوں کا یہ قول تھا کہ انسان کی صحیح تعلیم کی عمومی اہمیت اس کے مذہبی خیالات سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی کریم انفسی یورپ کے تعصب کے بالکل ضد تھی۔ یونیورسٹیوں میں بعض پروفیسر ادب عربی کی بلند

پایہ علمی تصانیف پر لکچر دیا کرتے تھے بعض علم معانی و بیان، انشاء پر دازی، ریاضی اور ہیئت کی تعلیم دیتے تھے۔ ہمارے کالجوں میں بہت سے اصول انہیں علمی اداروں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ کانوکیشن کے جلسوں میں نظمیں پڑھی جاتی تھی اور تقریریں ہوتی تھی ان تمام تعلیم گاہوں کے علاوہ صنف و حرفت کی درس گاہیں بھی تھیں خصوصاً طب و زراعت کی۔“ (خطرہ جمہوریت ص ۴۵، مطبوعہ ۱۸۹۹ء)

غرض کہ یورپ والوں نے عربوں کی یک سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کے بعد علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور جدید تمدن کی عمارت تعمیر کیا، موجودہ سائنس کی ترقی اور علوم و معارف کی وسعت صرف قرآنی تعلیمات کا نتیجہ ہے اگر دنیا اس سے متاثر نہ ہوتی تو موجودہ عصر نور کی تخلیق بھی نہ ہوتی، پروفیسر پرسی اس حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔

”عربوں کے علوم نے دنیائے عیائیت کو اوہام پرستی چھوڑنے پر مجبور کیا اور یہ تعلیم دی کہ عقل کی روشنی میں تحصیل علم کریں، بلا شک و شبہ عربوں کا نظام یورپ میں علوم کے نشاۃ ثانیہ (Renainsance) کا ایک بہت بڑا سبب تھا اور وہ مستقل فوائد جو عربوں نے یورپ کو پہنچائے ہیں وہ دور حاضر میں بھی نگاہ تحقیق کے لئے واضح و روشن ہیں“ (خطرہ جمہوریت ص ۴۷)

اسلامی عربوں کے اس احسان کا اظہار یورپ بار بار کرتا ہے، موجودہ زمانہ کا مشہور مستشرق ڈاکٹر برنارڈ لوئیس فرماتے ہیں۔

”قرون وسطیٰ کے یورپ پر عرب ہمعصروں اور ان کے مغربی ترجمانوں کا دو گونہ احسان تھے۔ پہلا احسان تو یہ ہے یورپ کو یونانی علوم افکار کے اس گرانمایہ ترکہ کا بڑا حصہ عربوں ہی کے ہاتھوں پہنچا، جسے مغرب تو گنوا چکا تھا مگر عربوں نے محفوظ رکھا اور بڑھایا۔ دوسرا احسان یہ ہے کہ یورپ نے عربوں سے تحقیق کا ایک نیا طریقہ سیکھا جس نے عقل (Reason) کو سند (Authority) پر ترجیح دیکر آزادانہ تحقیق و تجربہ کی اہمیت پر زور دیا۔ یہی دوسبق تھے۔ جنہوں نے سیکھ لینے کی وجہ سے بہت بڑی حد تک وسطیٰ کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور دور احیاء علوم (Renaissance) کا آغاز ہوا اور جدید یورپ عالم وجود میں آیا۔“ (انگلستان اور عربی علوم و فنون ص ۴، ۵ شائع کردہ شعبہ اطلاعات سابق حکومت ہند)۔